پروفیسر مرزا مقبول بیگ بدخشانی

ایران کا دورِ جدید

پہلوی دورِ حکومت سے پیشتر ایران کے داخلی حالات نہایت مایوس کن تھے۔ آخری قاچاری بادشاہ احمد شاہ (۱۳۲۷-۱۳۴۳ھ / ۱۹۰۹-۱۹۲۴ء) ایک طرف روسیوں سے خائف تھا، دوسری طرف تہران کی مختلف قومی جماعتوں کے اختلافات کی وجہ سے متفکر تھا۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر انگریزوں کی آغوش میں ڈال دے۔ نہ ان سے بے تعلق ہو کر ہی آسودہ رہ سکتا تھا۔ ملک قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ قومی آئین کے باوجود ملک اور ملت انتشار کا شکار تھے۔ ایران کے بیشتر حصے پر مقامی امرا کا اقتدار تھا، اپنے اپنے علاقے میں وہ جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ ایران کی کوئی فوج نہ تھی اور قازقوں پر مشتمل جو فوج تھی بھی، اس کی وفاداریاں حکومت ایران کے ساتھ نہ تھیں۔ ملک میں عدالتیں نہ تھیں، جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قول صادق آتا تھا۔ ڈاکوؤں اور رہزنوں نے ملک بھر میں آفت مچا رکھی تھی۔ عوام درماندہ اور پریشان حال تھے اور تو اور پایۂ تخت میں یہ حال تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد لوگ گھروں سے باہر نہیں نکل پاتے تھے کہ ڈاکوؤں کا خطرہ لاحق تھا۔ افلاس، ناخواندگی اور بیماری سے لوگوں کا سابقہ تھا۔ قاچاری بادشاہوں کو یورپ کے دوروں سے فرصت نہیں ہوتی تھی کہ ملکی حالات کی طرف توجہ دے سکیں۔ ادھر روسیوں کا روز بروز غلبہ ہوتا جا رہا تھا۔ اب ملک کسی مردِ غیب کا منتظر تھا۔ آخر یہ مردِ غیب اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

رضا خاں کی فوج کشی

رضا خاں نے جو آگے چل کر اعلیٰ حضرت رضا شاہ ہوئے، یہ محسوس کیا کہ ایران کی تقدیر کو غیر معمولی حالات ہی بدل سکتے ہیں تو انھوں نے قازقوں کی مختصر سی فوج لے کر فروری ۱۹۱۹ء

میں قزوین سے تہران کی طرف پیش قدمی کی۔ ۲۱ فروری ۱۹۲۱ کو تہران کے باہر خیمہ زن ہوئے اور ۲۶ فروری کو تہران میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ بظاہر یہ فوج کشی ان خائنوں کے خلاف تھی جنھوں نے احمد شاہ کے تحت ملک کی باگ ڈور خود سنبھال رکھی تھی۔ احمد شاہ نے اس خیال سے کہ شاید حکومت کے استحکام میں مدد ملے نئی صورت حال کا خیر مقدم کیا۔ رضا خاں کو سپہ سالار کل مقرر کر دیا اور وزارت عظمیٰ رضا خاں کے رفیقِ کار ضیاء الدین طبا طبائی کو سونپ دی۔

قومی تعمیر کے لیے حصول زر کی تدبیر

رضا خاں کے سامنے بڑا مسئلہ زر کا تھا۔ چنانچہ انھوں نے سرکاری خزانہ اور شاہی بنک سے اسّی ہزار تومان لے کر انقلابی افسروں اور قازق فوج کے سپاہیوں میں تقسیم کر دیے اور وزیر اعظم سے فوری طور پر یہ مطالبہ کیا کہ حصول زر کے لیے بڑے بڑے جاگیرداروں کو، جنھوں نے ناجائز وسائل سے دولت کے انبار لگا لیے تھے، قید کا حکم دے اور ان کی جاگیریں ضبط کرے شروع میں تو ضیاء الدین ہچکچایا لیکن بالآخر یہ حکم دے دیا اور جاگیریں ضبط کرنے کا کام رضا خاں کے سپرد کیا۔ چنانچہ جاگیریں بحق سرکار ضبط کر لی گئیں اور کئی متمول لوگ جنھوں نے ناجائز طریقوں سے دولت فراہم کی تھی جیل بھجوا دیے گئے اور وہ امرا جنھوں نے جنگ عظیم میں غیر ملکیوں سے ساز باز کر کے اپنی تجوریاں بھر لی تھیں مال و دولت اُگلنے پر مجبور ہو گئے، یہاں تک کہ قاچاری ناجدار احمد شاہ کے اقارب نے بھی چھپائی ہوئی دولت نکال باہر کی۔

رضا خاں نے یوں تو حصولِ زر کے لیے ایک اشتراکی قدم ہی اٹھایا تھا لیکن حقیقی مقصد ملک میں امن و امان بحال کرنا تھا اس لیے اس اشتراکی تدبیر کی افادیت واضح تھی۔ اس ڈرامائی طریقے نے ملکی ٹیکس کی وصولی کا کام بھی آسان کر دیا اور یہ کام بھی رضا خاں کے سپرد ہوا جس سے تھوڑے ہی عرصے میں نئی فوج بھرتی کرنے اور اسے مسلح کرنے کے وسائل مہیا ہو گئے۔

وزارت عظمیٰ سے ضیاء الدین طباطبائی کا استعفےٰ

سید ضیاء الدین طباطبائی یوں تو محب وطن، دلیر اور انقلاب پسند رہنما تھا لیکن جمہوری طرز حکومت کا گہرا مطالعہ اس نے نہیں کیا تھا۔ مجلس ملی کے طریق کار کا بھی اسے تجربہ نہ تھا۔ کسی سیاسی جماعت

سے فعال رکن کی حیثیت میں بھی اس نے کام نہیں کیا تھا۔ اجتماعی امور میں اسے نظری واقفیت تو ضرور تھی لیکن عملی تجربہ نہ تھا اور پھر اپنے مشیر، جو اس نے انتخاب کیے ان میں کوئی بھی اس کے پائے کا مدبر نہ تھا۔ اس کی اپنی کوئی جماعت نہ تھی۔ جلد بازی میں اس نے شاہی خاندان کے افراد کو اسیر کر کے بادشاہ کو بھی ناراض کر لیا تھا اور اب رضا خاں سے بھی اختلاف پیدا ہو گیا۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ فوج کو سیاسیات سے بے تعلق ہونا چاہیے لیکن رضا خاں فوج کو سیاسیات میں برابر کا شریک رکھنا چاہتے تھے۔ ضیاء الدین میدان سیاست میں اب اپنے آپ کو تنہا پاتا تھا اس لیے ملکی منصوبوں پر دلیری سے عمل پیرا نہ ہو سکا۔ آخر وہ وزارت عظمٰی سے مستعفی ہو گیا اور ایران کو خیرباد کہہ کر جرمنی چلا گیا۔ وزارت عظمٰی قوام السلطنت کو سونپی گئی اور وزارت جنگ کا منصب رضا خاں نے سنبھالا۔

مالیات کی اصلاح

رضا خاں کے پیش نظر ملک کو خوش حال، طاقت ور اور غیر ملکیوں کی مداخلت سے آزاد کرانا تھا۔ ان کے پاس اب ساز و سامان سے آراستہ فوج تو تھی لیکن فوجی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہمیشہ اشتراکی طریقے سے روپیہ حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مالیات کا نظام بگڑا ہوا تھا۔ اس کے لیے کسی ماہر مالیات کی ضرورت تھی چنانچہ ایک امریکی ماہر مسٹر اے۔ سی۔ ملس پاگ کی خدمات حاصل کی گئیں۔

ستمبر ۱۹۲۲ء میں ملس پاگ نے ایران کے مالیات کا چارج سنبھالا۔ اس کا کام نہایت اہم تھا اس لیے اسے اختیارات بھی غیر محدود دیے گئے۔ اس سے پہلے ملک کا کوئی باقاعدہ بجٹ نہ تھا۔ شوسٹر نے ملکی بجٹ بنانے کی کوشش کی تھی لیکن روسیوں کے دباؤ کی وجہ سے وہ ایران چھوڑنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس وقت ایران کے داخلی معاملات کی صورت یہ تھی کہ محصول اور ڈاک خانہ کا انصرام روسیوں کے ہاتھ میں تھا۔ تار برقی کا کام اینگلو انڈین کمپنی کرتی تھی۔ پولیس کی تربیت سویڈن کے افسروں کے ذمے تھی۔ ڈاکٹر فرانسیسی تھے، قانون کی تشکیل اور تعلیمی نظام فرانسیسیوں سے متعلق تھا۔ خزانہ بدستور خالی تھا۔ ملازموں کی تنخواہیں آٹھ آٹھ ماہ سے واجب الادا تھیں۔ ملازمین اب اسٹرائیک کی دھمکی دے رہے تھے۔ ان کے مطالبات کو پورا کرنے کے لیے

ملس پاگ نے امپیریل بنک سے چالیس لاکھ تومان تو قرض سے لیے لیکن اس کا اصل کام آسان نہ تھا۔ معاشرتی اور اقتصادی حالات کی پستی کسی دورِ جاہلیت کی یاد دلاتی تھی۔ مالیے کی فراہمی ایک مسئلہ بنا ہوا تھا۔ غریب زمیندار تو مالیہ ادا کر دیتے تھے لیکن امرا پہلو تہی کر جاتے تھے۔ مالیے کا بیشتر حصہ اجناس کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا مگر وسائل آمد و رفت کی سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے اجناس کو فوری طور پر فروخت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ اجناس پوری وصول بھی نہیں ہوتی تھیں۔ بادشاہ کے قرابت داروں اور دوستوں کے ٹیکس شاہی فرمان کے ذریعے کم یا معاف بھی ہو جاتے تھے۔ ٹیکس یا مالیہ وصول کرنے والے عموماً خود ہی رسیدیں لکھ دیتے تھے اور بڑی بڑی رقمیں سرکاری خزانے میں داخل کرنے کے بجائے اپنی تجوریوں میں ڈال لیتے تھے۔ خزانہ خالی ہونے کی وجہ سے تنخواہیں جنسوں کی صورت میں ادا کی جاتی تھیں۔

ملس پاگ نے رضا خاں کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ انھوں نے مالی نظام کو مستحکم کرنے کے لیے ملس پاگ کو پورے پورے تعاون کا یقین دلایا اور اس سلسلے میں سخت گیرانہ قدم اٹھائے۔ کچھ ایسے افسروں کو برطرف کر دیا جو ضرورت سے زائد سمجھے گئے یا جو بددیانت تھے۔ وہ افسر بھی الگ کر دیے گئے جنھوں نے نذرانے اور رشوتیں دے کر ملازمتیں حاصل کی تھیں یا امرا کے رشتے دار ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے منصب سنبھال رکھے تھے۔ ادھر ملس پاگ نے ٹیکس وغیرہ کی وصولی کے نظام کو بہتر بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ۱۹۲۵ء میں محکمہ فوج کے پھیلتے ہوئے اخراجات اور ملازموں کی بڑھتی ہوئی تنخواہوں کے باوجود ملس پاگ نے تاریخ ایران میں پہلی مرتبہ ایک متوازن بجٹ پیش کر کے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ ملس پاگ نے مالیات کی اصلاح کے لیے چار سال تک نہایت جانفشانی سے کام کیا۔ اس عرصے میں رضا خاں بڑی حد تک ملکی وحدت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

رضا خاں وزیر اعظم کی حیثیت میں

اکتوبر ۱۹۲۳ء میں مشیر الدولہ کی وزارت کا دور ختم ہوا تو رضا خاں وزیر اعظم بنا دیے گئے۔ رضا خاں وزیر اعظم ہونے کے ساتھ ساتھ وزیر جنگ اور فوج کے سپہ سالار کل بھی تھے۔ یہ اہم ترین ذمے داریاں سنبھالتے ہی انھوں نے ان چھوٹی چھوٹی قبائلی فوجوں کی طرف توجہ دی

جو غیر ملکی افسروں کے زیر اثر تھیں اور انھیں خلاف قانون قرار دے کر غیر مسلح کر دیا گیا۔ بعض سرداروں نے چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں قائم کر رکھی تھیں رضا خاں نے انھیں بھی زیر نگیں کیا۔ بحیرۂ خزر کے ساحلی علاقہ پر گیلان کے اشتراکی، حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر آذربائیجان میں بغاوت ہوئی۔ شمال مغربی ایران میں کردوں نے اپنی آزادی کا اعلان کیا خراسان میں قوچانیوں نے علم بغاوت بلند کیا لیکن رضا خاں نے بڑے عزم و استقلال کے ساتھ ان بغاوتوں کو فرو کیا۔ خوزستان کا علاقہ تیل دریافت ہونے کی وجہ سے بہت خوش حال تھا۔ شیخ محمرہ خزعل تیل کے بعض چشموں کا مالک تھا اور اس کے خزانے مال و دولت سے بھرپور تھے۔ شیخ محمرہ رضا خاں کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے سخت ہراساں تھا۔ اس نے قرب و جوار کے قبائل کو اپنی آزادی برقرار رکھنے کی ترغیب دلائی۔ بختیاری اور کاشکی قبائل کو روپیہ پیسہ اور اسلحہ دے کر شورش پر آمادہ کیا لیکن رضا خاں نے فوج کشی کر کے شیخ محمرہ کو زیر نگیں کر لیا، اور امریکی مالیاتی مشن کو ہدایت کی کہ شیخ محمرہ سے ٹیکس کی تمام واجب الادا رقوم جو پانچ لاکھ تومان کے لگ بھگ تھیں وصول کریں۔ مازندران اور خراسان کے علاقوں پر استرآباد کے ترکمانوں نے چڑھائی کی تو رضا خاں نے نہ صرف انھیں شکست دی بلکہ انھیں غیر مسلح بھی کر دیا۔ ترکمانوں کی سرکوبی کے بعد بغاوت کا مزید کوئی خطرہ تو باقی نہ رہا البتہ فارس میں رہزن کچھ عرصہ اودھم مچاتے رہے۔ رضا خاں نے رہزنوں کے خلاف فوج کشی کر کے انھیں قرار واقعی سزائیں دیں جس سے تجارتی شاہراہیں محفوظ ہو گئیں۔

اس عرصے میں ایران کا بادشاہ احمد شاہ فرانس میں مقیم تھا۔ اس کی طویل غیر حاضری کی وجہ سے مجلس ملی نے اس کے بھائی محمد حسن میرزا کو اس کا جانشین بنا دیا۔ لیکن اس میں نظم و نسق کی قطعاً صلاحیت نہ تھی اس لیے یہ بھی امید نہ تھی کہ اس کی سربراہی میں حکومت کو استحکام حاصل ہو سکے گا۔

رضا شاہ کی تخت نشینی

۱۹۲۵ء کے آخر میں مجلس نے یہ محسوس کر کے کہ محمد حسن میرزا تخت و تاج کا وارث بننے کا اہل نہیں، ایک دلیرانہ قدم اٹھایا اور اسے حکومت کے بار سے سبکدوش کر کے قاچاری دور کا خاتمہ کر دیا اور رضا خاں کو ملک کا سربراہ بنا دیا۔ چنانچہ ۱۴ دسمبر ۱۹۲۵ء کو آپ رضا شاہ کا لقب

اختیار کر کے تخت نشین ہوئے اور پہلوی خاندان کی بنیاد رکھی۔ اس موقعے پر محمد رضا شاہ ولی عہد سلطنت مقرر ہوئے۔

اعلیٰ حضرت رضا شاہ محب وطن بادشاہ تھے۔ ایران کی گذشتہ عظمت اور قدیم تمدن کا احیا ان کا نصب العین تھا جسے حاصل کرنے کی انھوں نے انتہائی کوشش کی۔

اصلاحات

اعلیٰ حضرت رضا شاہ فوجی اعتبار سے ایران کی کم مائیگی کو خوب جانتے تھے اس لیے انھوں نے اولین توجہ فوجی استحکام کو دی اور تھوڑے ہی عرصے میں فوجوں کی تعداد معقول حد تک بڑھا دی اور اعلیٰ فوجی افسروں کو حربی تربیت کے لیے فرانس بھیجا، نیز ایرانی افسروں اور سپاہیوں کو تربیت دینے کے لیے آزمودہ کار فرانسیسی جنرل ملازم رکھے۔ حربی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کیے اور ممالک خارجہ سے جدید اسلحہ منگوا کر فوج کو مسلح کیا اور اس میں وطن کی محبت اور پاسبانی کی روح پھونکی۔

شاہنشاہ کا خیال تھا کہ کشور ایران کو اب سب سے زیادہ ضرورت تعلیم یافتہ، دانش مند، ماہر، جفاکش، دیانتدار نوجوانوں کی ہے۔ ایسے لوگوں کی جماعتیں تیار کرنے کے لیے ان کی توجہ تعلیم کی طرف ہوئی۔ جدید تعلیم عام کرنے کے لیے قانون نافذ کیا گیا اور ملکی مالیات کا نصف حصہ تعلیم کے لیے وقف کر دیا گیا۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے طلبہ کو انگلستان، فرانس اور جرمنی بھیجا گیا تہران میں اعلیٰ تعلیم کے لیے دانش گاہ بھی کھولی گئی جس کا یوم تاسیس ۴ فروری ۱۹۳۵ء ہے۔

تعلیم کی ترویج میں ملکی زبان کا جو حصہ ہے، اس کی اہمیت واضح ہے اس لیے رضا شاہ نے زبان و ادب کی طرف بھی توجہ دی تاکہ فارسی کو اس قابل بنایا جائے کہ اس کے ذریعے تمام جدید علوم کی تعلیم دی جا سکے چنانچہ ایک اکیڈیمی قائم کی گئی جس کے زیر اہتمام انگریزی، فرانسیسی اور جرمن کی مستند کتابوں کے تراجم فاضل اساتذہ نے کیے۔ سائنسی علوم پر طبع زاد کتابیں بھی لکھی گئیں، اور ہزاروں جدید الفاظ و اصطلاحات فارسی میں شامل ہوئیں۔ اس طرح زبان کا دامن وسیع ہو گیا۔

اس دور میں متعدد نئے کارخانے قائم ہوئے۔ ۱۹۳۹ء میں پارچہ بافی کے کارخانے کام کرنے لگے تھے۔ ریشمی پارچہ بافی کے کارخانے بھی قائم ہوئے جن میں چالوس کا کارخانہ خاص طور سے

بہت اہم ہے۔ چاول نکالنے، سیمنٹ بنانے اور شکر تیار کرنے کے بھی کارخانے قائم ہوئے جن سے ملکی ضرورتیں پوری ہونے لگیں۔

ملکی معیشت کے لیے بنکاری کو جو دخل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ قاچاری دور میں مجلس کے نمائندوں کو قومی بنک قائم کرنے کا خیال تھا چنانچہ ۱۹۰۷ء میں بحث ہوئی اور قومی بنک قائم کرنے کا فیصلہ ہوا لیکن سیاسی استحکام نہ ہونے کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہو سکا۔ آخر اعلیٰحضرت رضا شاہ کے دور میں ۱۹۲۸ء میں ملکی سرمائے سے ملی بنک قائم ہو گیا اور رفتہ رفتہ اس کی شاخیں اہم شہروں میں کھل گئیں۔ ۱۹۳۰ء میں زراعت اور صنعت کو ترقی دینے کے لیے بھی بنک کھولا گیا۔ ۱۹۳۹ء میں قرضے کا بنک بھی قائم ہوا۔ ان بنکوں کے ذریعے تجارت کے علاوہ سرکاری اداروں اور بلدیات کے کام کاج میں بھی آسانیاں پیدا ہو گئیں۔

رضا شاہ نے شمالی ایران کو جنوبی ایران کے ساتھ بذریعہ ریل ملانے کا ایک نہایت اہم اور ضروری منصوبہ بھی تیار کیا۔ یہ کام انتہائی دشوار تھا لیکن شاہنشاہ کا ارادہ اٹل تھا اور وہ اپنی بات پر قائم رہے اور آخر کار ایک ریلوے لائن بحیرۂ خزر سے لے کر خلیج فارس تک تعمیر کی گئی جس کا افتتاح اگست ۱۹۲۸ء میں ہوا۔

تیل کے چشموں پر ایرانی ملکیت

قاچاری بادشاہوں نے اپنے ذاتی مفاد کے پیش نظر اپنے ملک کے تیل کے چشمے بہت کم معاوضہ پر ایک برطانوی کمپنی کے ہاتھ فروخت کر دیے تھے لیکن اعلیٰحضرت نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی اس ملکی نقصان کو محسوس کیا اور ایران کی جس قدر معدنیات غیر ملکیوں کے تسلط میں تھیں انھیں واپس لینے کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ اینگلو پرشین آئل کمپنی کے ساتھ حکومت ایران کا دیر تک تنازعہ جاری رہا۔ آخر یہ کمپنی مجبور ہو گئی کہ تیل کے چشموں پر ایران کی ملکیت اور تسلط کو تسلیم کرے۔ نئے حالات کے تحت کمپنی سے ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے یہ طے ہوا کہ آئندہ کمپنی کے ملازمین میں ۷۵ فی صد ایرانیوں کو لیا جائے گا اور تمام بڑے عہدے رفتہ رفتہ ایرانیوں کے سپرد کر دیے جائیں گے۔ کمپنی پہلے کی نسبت دوگنی رقم حکومت ایران کو مالکانہ حقوق کے عوض ہر سال ادا کیا کرے گی۔ معاہدے کی ایک یہ شرط بھی تھی کہ جو تیل

ایران سے غیر ممالک کو بھیجا جائے گا، ایران اس پر برآمدی محصول لینے کا مجاز ہوگا۔ اس نئے معاہدے سے ایران کو مالی فائدہ بھی ہوا اور ملک بھر میں کارخانے قائم کرنے کے لیے تیل کے ذخائر بھی میسر آ گئے۔

اسلامی ممالک سے خوشگوار تعلقات

اعلیٰحضرت رضا شاہ کی حکومت سے پہلے حکومت ایران کے ہمسایہ اسلامی ممالک کے ساتھ تعلقات خوشگوار نہ تھے۔ ترکوں اور ایرانیوں کے مابین صدیوں تک لڑائیاں جاری رہیں۔ افغانستان کے قبائل ایران پر حملہ آور ہوتے رہے۔ ایران کی طرف سے بھی ہرات کو مسخر کرنے کی متعدد بار کوششیں ہوئیں۔ ایران و عراق اور ایران و افغانستان کے مابین سرحدوں کے تعین کے متعلق جنگ و جدل جاری رہا لیکن ایران کے نجات دہندہ رضا شاہ پہلوی کے تدبر اور فراست سے ہمسایہ اسلامی ممالک کے ایران کے ساتھ جھگڑے باہمی گفت و شنید سے طے ہو گئے، اور یہ کوششیں معاہدۂ سعد آباد کی شکل میں بار آور ہوئیں۔ رضا شاہ نے ۱۹۳۴ء میں ترکیہ کی سیاحت کی اور ان دو اسلامی ملکوں کے مابین سیاسی اور تمدنی رشتے استوار ہوتے گئے۔ اسلامی ممالک کے علاوہ حکومت ایران نے روسیوں اور انگریزوں کے ساتھ بھی نئے آبرومندانہ معاہدے کیے۔

نئی تہذیب

شاہنشاہ فطرتاً تجدد پسند تھے اور ہر نئی بات کو، جو ایران کے لیے مفید ہو سکتی تھی، انھوں نے اپنانے کی کوشش کی۔ ترقی کی راہ میں رجعت پسند ملّا رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ وہ ہر نئی بات کو بدعت قرار دیتے تھے۔ عوام پر ان کا اثر بھی تھا۔ آخر شاہنشاہ اور ملک کے ترقی پسند دانش ور ملّاؤں کا طلسم توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ ملاؤں کے وظائف بند کر دیے گئے اور مقامات مقدسہ سرکاری تحویل میں لے لیے گئے اور ان سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ ملکی مفاد پر خرچ ہونے لگی۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہزاروں سال پرانی تہذیب کی جگہ نئی تہذیب نے لے لی۔ قدیم معاشرت کے انداز بدلے۔ توہم پرستی کا خاتمہ ہوا، حب وطن کا جذبہ ابھرا، ترقی کی جدوجہد تیز ہوئی۔ اہل ایران نے یورپین لباس زیب تن کیا۔ عورتوں نے پردہ ترک کیا اور ملکی ترقی

کی تحریک میں مردوں کے دوش بدوش ہوئیں۔

دوسری جنگ عظیم

۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی۔ ۱۹۴۱ء میں جرمنی نے روس کے خلاف بھی اعلانِ جنگ کر دیا۔ روس اور برطانیہ دونوں ایک دوسرے کے حلیف ایک دوسرے کے اتحادی بن گئے۔ اعلیٰحضرت رضا شاہ نے، اگرچہ وہ جرمنی کی طرف مائل تھے، غیر جانبدار رہنے کا اعلان کیا۔ اتحادیوں نے محسوس کیا کہ ایران ان کے لیے ہر لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ برطانیہ ایران کے ذریعے سامانِ جنگ بآسانی روس کو پہنچا سکتا ہے۔ ایرانی تیل سے بھی اس جنگ میں کام لیا جا سکتا ہے اس لیے اتحادیوں نے حکومت ایران سے مدد حاصل کرنی چاہی لیکن شاہ ایران ان سے متفق نہ تھے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ادھر روس نے شمالی طرف سے اپنی فوجیں ایران میں داخل کر دیں، ادھر انگریزوں نے عراقی سرحد اور خلیج فارس کے آس پاس فوجیں اتار دیں۔ ایرانی بحریہ نے ان کا مقابلہ کیا لیکن اسے کامیابی نہ ہو سکی۔ اب اتحادیوں نے حکومت ایران کو مجبور کیا کہ سامانِ جنگ روس پہنچانے کے لیے راستہ بھی دے اور تیل بھی فراہم کرے۔ اعلیٰحضرت رضا شاہ کو یہ صورت حال کسی صورت بھی گوارا نہ تھی۔

رضا شاہ اتحادیوں کے دباؤ میں آنے کو تیار نہ تھے آخر ۱۹۴۱ء میں شاہزادہ ولی عہد محمد رضا پہلوی کے حق میں دستبردار ہو کر وطن کو خیرباد کہہ گئے اور زندگی کا باقی حصہ جوہنسبرگ (جنوبی افریقہ) میں گزارا۔ یہیں آپ نے ۱۹۴۴ء میں وفات پائی اور ۱۹۵۰ء میں ان کی میت ایران لا کر ایک عظیم الشان مقبرے میں احاطہ شاہ عبدالعظیم میں دفن کر دی گئی۔

اعلیٰحضرت محمد رضا شاہ پہلوی کا عہد آفریں دور

ایران اس لحاظ سے بہت خوش نصیب ملک ہے کہ اعلیٰحضرت رضا شاہ پہلوی کے بعد ان کے بیدار مغز، قومی ہمت اور حب وطن فرزند اعلیٰحضرت شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی نے ۱۹۴۱ء میں عنانِ حکومت سنبھالی اور نامساعد سیاسی حالات کو ملک کے لیے سازگار بنایا۔

اعلیٰحضرت نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی اعلان کیا کہ ملک میں زیادہ سے زیادہ جمہوری

حکومت قائم کی جائے گی۔ عوام کے نمائندے جو مجلس (پارلیمنٹ) کے لیے منتخب ہوں گے اپنے حدود کار میں پوری طرح آزاد ہوں گے اور نظم و نسق میں انھیں زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل ہوں گے۔ اس اعلان کی آپ نے حرف بحرف پیروی کی اور دستور اور مجلس کا پورا پورا احترام کیا جس کی وجہ سے آپ کو ملک بھر میں مقبولیت حاصل ہوئی۔

شاہنشاہ کی انتظامی اور سیاسی بصیرت کی تربیت آپ کے والد اعلیٰ حضرت رضا شاہ نے کی تھی اور عملی تجربہ کے لیے امورِ سلطنت میں سرگرم حصہ لینے کے لیے مواقع بھی فراہم کیے تھے۔ چنانچہ آپ نے والد کے ترقیاتی منصوبوں کو نہایت احسن طریقے سے انجام دیا اور خود جو مزید اصلاحات کیں وہ آپ کی حب الوطنی، ذہانت اور قوتِ عمل کی روشن دلیلیں ہیں۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد

دوسری جنگ عظیم میں روس، برطانیہ اور دوسرے اتحادی جرمنی اور اس کی حلیف طاقتوں کے مقابلے میں فتح یاب ہونے کی انتہائی کوشش کر رہے تھے اور ان کا پلّہ بھاری ہونے لگا۔ ۱۹۴۳ء میں روس، برطانیہ اور امریکہ کی سہ ملکی کانفرنس تہران میں منعقد ہوئی جس میں فیصلہ ہوا کہ ایران کی مکمل خود مختاری کو تسلیم کیا جائے اور حکومت ایران کو ملکی ترقی کے منصوبوں کے لیے اقتصادی امداد دی جائے۔ اس پر فوری عمل شروع کرنے کا فیصلہ ہوا۔ تینوں ملکوں نے اپنی فوجیں ایران سے نکال لیں۔ ایران کی سرحدوں کا تعین ہو گیا اور ملکی اصلاحات کے لیے حکومت ایران کو اقتصادی امداد بھی ملنے لگی۔

سات سالہ منصوبہ

۱۹۴۹ء میں شاہنشاہ ہمایوں کی رہنمائی میں ایرانی مجلس نے ملک کی ہمہ جہتی ترقی کے پیش نظر سات سالہ منصوبہ تیار کیا۔ منصوبے میں زراعت کی ترقی، جنگلات کا تحفظ، ذرائع حمل و نقل کی توسیع، اشاعت تعلیم، ملکی صنعتوں کی ترقی، آبپاشی کا بہتر نظام، کان کنی، جدید بنکاری اور فولاد کی صنعتوں کا قیام شامل تھا۔

منصوبے کو بروئے کار لانے میں بڑی گرم جوشی سے عمل شروع ہوا تھا لیکن ۱۹۵۱ء میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا جس سے منصوبے کی رفتارِ عمل قائم نہ رہ سکی۔ اس کا

ذمے دار ایک انتہا پسند قومی رہنما ڈاکٹر مصدق ہے۔ اسے ۱۹۵۱ء میں اپنی وزارت بنانے کا موقع ملا تو اس نے ۱۹۵۱ء میں تیل کی صنعت کو دفعتہً قومی ملکیت میں لینے کا انتہائی قدم اٹھایا۔ اس سے تیل کا وہ معاہدہ یک قلم منسوخ ہوگیا جو اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی کے عہد میں ۱۹۳۳ء میں طے پایا تھا۔ مئی ۱۹۵۱ء میں برطانوی حکومت اور اینگلو ایرانین آئل کمپنی نے بین الاقوامی عدالت کی طرف رجوع کیا۔ ایران کا موقف یہ تھا کہ یہ مسئلہ عدالت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔ بہرحال جولائی ۱۹۵۲ء میں ایران کا یہ موقف تسلیم کرلیا گیا لیکن معاہدے کی منسوخی کا ردِ عمل ایران کے لیے نہایت ضرر رساں ثابت ہوا۔ ادھر حکومت ایران کے لیے دفعتہً تیل کے وسیع کاروبار کا سنبھالنا ممکن نہ تھا۔ ادھر انگریز اور دوسرے غیر ملکی جن کا تعلق تیل کی صنعت سے تھا، سخت برہم ہوئے۔ حکومت ایران کی کوشش سے جو تھوڑا بہت تیل نکلا اس کی برآمد روکنے کے لیے یورپی طاقتوں نے اپنا ہر حربہ استعمال کیا۔ اس سے تیل کی صنعت مفلوج ہوکر رہ گئی اور ایران طرح طرح کی مشکلات سے دوچار ہوگیا۔

ڈاکٹر مصدق کا دورِ وزارت

۲۳ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو حکومت ایران نے برطانیہ سے سفارتی تعلقات منقطع کرلیے۔ اسی دوران شاہنشاہ اور ڈاکٹر مصدق کے مابین اختلاف پیدا ہوگیا جس نے بالآخر بہت جلد شدید نوعیت اختیار کرلی۔ مجلس ملی کے متعدد ارکان ڈاکٹر مصدق کے رویے کے خلاف احتجاجاً مستعفی ہوگئے۔ مصدق نے جواباً مجلس کو توڑ کر نئی مجلس قائم کی۔ یہ ملکی بدامنی کی طرف دوسرا قدم تھا۔ شاہنشاہ ملک کو خونریزی اور خانہ جنگی سے بچانے کے لیے ملک سے باہر چلے گئے لیکن تین ہی دن بعد فرمانِ ہمایونی کے تحت ڈاکٹر مصدق کی وزارت توڑ دی گئی۔ مصدق نے شدید مزاحمت کی لیکن محبِ وطن جنرل زاہدی وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالنے میں کامیاب ہوگیا۔ مصدق اور اس کے رفقائے کار گرفتار کرلیے گئے اور شاہنشاہ وطن واپس آگئے۔

دسمبر ۱۹۵۳ء میں حکومت ایران نے برطانیہ کے ساتھ سفارتی تعلقات پھر سے قائم کرلیے۔ انگریزوں کے ساتھ حکومت ایران نے ایک نیا معاہدہ کیا اور تیل نکالنے کا کام ایک نئی کمپنی کے سپرد ہوا جس کا نام نیشنل ایرانین آئل کمپنی ہے۔ معاہدے کی رو سے یہ طے پایا کہ یہ کمپنی

جو تیل نکالے گی اسے بارہ کمپنیوں کے ہاتھ فروخت کیا جائے گا، اور کُل تیل کا ساڑھے بارہ فی صد حکومتِ ایران کو ملے گا۔ ایران کی قومی تیل کمپنی ملکی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے "نفتِ شاہ" کے چشموں اور کرمان شاہ کے کارخانے سے کام لے گی۔ اس سے ایران کو تقریباً آٹھ کروڑ چالیس لاکھ روپے سالانہ آمدنی ہونے لگی۔

معاشرتی نظام کی ہمہ گیر تبدیلی — انقلابِ سفید

اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ اپنی تقریروں میں اس بات پر اکثر زور دیتے رہے تھے کہ ایران کے معاشرتی نظام کو بدلنے کے لیے ایک ایسے پُرامن انقلاب کی ضرورت ہے جو کاشت کاروں صنعت کاروں اور مزدوروں کی حالت بہتر بنا دے۔ چنانچہ ۱۹۶۲ء میں آپ کی مسلسل کوششوں سے ایک ایسا انقلاب رونما ہو گیا جس نے محنت کش طبقے کی کایا پلٹ دی۔ یہ انقلاب تعمیری ہے اور اس کے بانی خود شاہنشاہ ہیں۔ اس لیے یہ "انقلابِ سفید" کے نام سے موسوم ہوا۔ اس نُہ گانہ انقلابِ سفید کے دائرہ ہائے عمل درج ذیل ہیں:

اصلاحِ اراضی

انقلابِ سفید کا آغاز اصلاحِ اراضی سے ہوا۔ شاہنشاہ کو ہمیشہ یہ احساس رہا ہے کہ ملکی معیشت میں دیہات اور اہلِ دیہات کا بہت بڑا حصہ ہے اس لیے ان پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے لیکن ایران کے دیہات عموماً بڑے زمینداروں کی ملکیت ہیں جو پیداوار کا معتدبہ حصّہ خود لے لیتے ہیں اور کاشت کاروں کی فلاح و بہبود کا انھیں کوئی خیال نہیں ہوتا، اس لیے کاشت کاروں کو زمین اور زمین کی پیداوار سے وہ لگاؤ نہیں ہوتا جو مالک ہونے کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس مشکل مسئلے کو حل کرنے کے لیے شاہنشاہ[1] نے یہ عملی قدم اٹھایا کہ شاہی جاگیر کی پچاس لاکھ ایکڑ اراضی ۱۹۵۲ء میں پچیس ہزار کاشت کاروں میں تقسیم کر کے انھیں اراضی کا مالک بنا دیا جائے۔ اس اقدام کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ بعض بڑے زمینداروں نے بھی اپنی اراضی

---

[1] اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی: Mission for My Country، ص ۲۰

کاشت کاروں کے ہاتھ فروخت کر دی۔ اس سے زمین کی پیداوار پہلے کی بہ نسبت کئی گنا بڑھ گئی۔

اصلاح اراضی کے لیے ایک قانون بھی وضع ہوا لیکن اس کے راستے میں متعدد رکاوٹیں حائل ہوئیں۔ اس کی مختصر سی سرگذشت یہ ہے کہ اصلاح اراضی کی ابتدا ۱۹۵۰ء میں شروع ہوئی جب کہ شاہنشاہ نے شاہی جاگیر کی اراضی کو کسانوں میں تقسیم کیا۔ لیکن اصلاح اراضی کا منشا ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔ اس لیے شاہنشاہ کی طرف سے ۱۹۶۰ء میں اصلاح اراضی کا ایک بل پیش ہوا جس کی غرض و غایت یہ تھی کہ کوئی بڑا زمیندار ایک مقررہ حد سے زائد زمین کا مالک نہیں رہ سکتا۔ اس بل سے بڑے زمینداروں پر زد پڑتی تھی اس لیے وہ مشترکہ مفاد کی حفاظت کے لیے متحد ہو گئے اور اس مسودہ قانون کی شدید مخالفت کی۔ آخر وہ مسودہ قانون میں ایسی ترمیمیں کرانے میں کامیاب ہو گئے جن سے قانون کی ہیئت ہی بدل گئی اور اس طرح جو قانون ۹ جنوری ۱۹۶۱ء کو منظور ہوا اس سے کاشت کاروں کی بجائے زمینداروں اور جاگیرداروں ہی کے مفاد کا تحفظ ہو گیا۔ لیکن یہ صورت حال ایسی تھی کہ اس سے نہ شاہنشاہ ہی کی دلی آرزو پوری ہوئی نہ ملت ایران ہی مطمئن ہو سکی۔ بہرحال ایران کے ترقی پسند اور فہمیدہ اشخاص میں سیاسی بیداری پیدا ہو چکی تھی اور وہ کاشت کاروں کو بڑے زمینداروں کی دستبرد سے بچانے کی کوششوں میں مصروف رہے۔ ۲۶ جنوری ۱۹۶۲ء کو شہنشاہ نے اپنا اصل مسودہ قانون رائے عامہ کے استصواب کے لیے مشتہر کرایا جس میں پچپن لاکھ اٹھانوے ہزار سات سو گیارہ افراد نے اس کے حق میں اور چار ہزار ایک سو پندرہ نے اس کے خلاف رائے دی۔ اس طرح عوام کی بھاری اکثریت نے اس بل کی تائید کر دی۔

قانون اصلاحِ اراضی

اس قانون کے دو حصے تھے پہلا حصہ ان بڑے زمینداروں سے متعلق تھا جو وسیع اراضی کے مالک تھے۔ اس کی رو سے ہر زمیندار اپنی کل زمین (شش دانگ) کا دسواں حصہ اپنے پاس رکھ سکتا تھا اور بقیہ زمین اسے مناسب قیمت پر حکومت کے ہاتھ بیچنی تھی جو دس سال کے عرصے میں واجب الادا تھی۔ اس طرح حکومت جو زمین خریدتی، وہ کسانوں کے ہاتھ فروخت

کر دیتی تھی اس کی قیمت پندرہ سال کے عرصے میں واجب الادا تھی۔ اس طرح رفتہ رفتہ بڑے زمینداروں کی زمین خرید کر کسانوں کو اس کا مالک بنا دیا۔ قانون کا دوسرا حصہ چھوٹے زمینداروں سے متعلق تھا۔ یہ زمیندار مقرر کردہ حد سے کم زمین کے مالک تھے اس لیے کاشت کاروں اور مالکوں کے حقوق متعین کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے۔ مثلاً زمین کا پٹے پر دینا اور زائد زمینوں کو کاشت کاروں کے ہاتھ فروخت کرنا، کاشت کار اور مالک پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ اپنے مفاد کے پیش نظر جو طریق کار اپنے لیے بہتر سمجھتے ہوں اختیار کر لیں۔[۱]

زرعی ترقیاتی بینک

شاہی جاگیر کی اراضی کی فروخت سے جو رقم وصول ہوئی اس سے کاشت کاروں کی بہبودی کے لیے امداد باہمی کے اصولوں پر زرعی ترقیاتی بینک قائم کر دیا گیا۔ اس بینک سے زمینداروں کو اچھا بیج اور زرعی آلات خریدنے کے لیے تقاوی قرضے دیے جاتے ہیں۔ بینک کے سرمائے سے جدید زرعی آلات درآمد کیے جاتے ہیں۔ چند سال پہلے تقریباً پندرہ سو ٹریکٹر درآمد کر کے کاشت کاروں کو آسان قسطوں پر دیے گئے۔ یہ بینک چار لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ کے سرمائے سے شروع ہوا جس کا نصف سرمایہ ادا شدہ ہے۔

جنگلات قومی ملکیت میں

کسی ملک کے جنگلات کو وہاں کی اقتصادی اور صنعتی زندگی میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ایران جنگلات کے معاملے میں بھی بہت خوش نصیب ہے۔ بحیرۂ خزر کے ساحلی علاقوں اور کوہ البرز کے دامن میں بہت سے جنگلات پائے جاتے ہیں جو لوگوں کی ذاتی ملکیت چلے آتے تھے۔ زمیندار جنگلات کی جغرافیائی اور اقتصادی اہمیت سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے وقتاً فوقتاً درخت کٹوانے اور دوبارہ ان کی جگہ درخت لگوانے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے جس سے جنگلات رفتہ رفتہ ریگستان میں تبدیل ہونے لگے تھے۔ حکومت ایران نے اس ضروری مسئلے کی طرف توجہ دی، اور ۱۹۴۰ء میں شعبہ جنگلات قائم کیا۔ اس صورت میں بھی جنگلات

---

[۱] اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی: Mission for My Country ص: ۲۰۲

اگرچہ لوگوں کی ذاتی ملکیت ہی رہے لیکن ان میں درخت کاری اور درختوں کے تحفظ کی ذمے داری حکومت نے لے لی۔ ۱۹۶۲ء میں جنگلات کو قومی ملکیت میں لینے کی جدوجہد شروع ہوئی۔ شاہنشاہ ایران نے لوگوں پر یہ حقیقت واضح کرنی چاہی کہ "جنگل[1] ملک کی ایسی دولت ہے جس کی نشو ونما کی خود قدرت ذمے دار ہے، کسی انسان نے اس کی نشو ونما کے لیے زحمت نہیں اٹھائی اور یہ واضح بات ہے کہ جس چیز کو قدرت نے پورے ملک کے لیے بنایا ہے وہ افراد کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔" جنگلات کو قومی ملکیت میں لینے کا کام دشواریوں سے خالی نہ تھا لیکن شاہنشاہ کے خلوص نے یہ کام آسان کر دیا اور ملکی جنگلات قومی ملکیت میں لے لیے گئے۔ جنگلات کی اراضی کے عوض مالکان کو حکومت کے خزانے سے معقول معاوضہ ادا کر دیا گیا۔

سرکاری کارخانوں میں عوام کی حصے داری

انقلاب سفید کا تیسرا منصوبہ سرکاری کارخانوں میں عوام کو حصے دار بنانا تھا۔ ایران کے اہم کارخانے سب حکومت کی ملکیت تھے اور کارخانوں کو چلانے کا کام بھی حکومت ہی کرتی تھی۔ عوام کی اس سے کوئی وابستگی نہ تھی۔ اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ کارخانوں کے حصص عوام کے ہاتھوں فروخت کر کے انھیں مالک کی حیثیت دے دی جائے، کارخانوں کی ملکیت میں شریک بنا دیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۶۲ء میں فروخت حصص کا قانون پاس ہوا اور اس کی رو سے عوام کو ملک کے صنعتی نظام میں براہ راست شریک کر دیا گیا تاکہ وہ جہاں منافع میں شریک ہوں، وہاں اپنے مشوروں سے کارخانوں کے کاروبار کو مفید تر بنا سکیں۔ اس کا خوش گوار اثر یہ ہوا کہ سرمایہ داروں، مزدوروں اور عوام نے اس کاروبار میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لی اور صنعتی پیداوار میں کئی گنا اضافہ ہوا۔

اصلاح قانونِ انتخابات

شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا شاہ لکھتے ہیں[2]: "ملک میں مشروطیت کے قیام کو ساٹھ سال

---

[1] اعلیٰ حضرت شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا پہلوی: انقلاب سفید ۔ا۔

ہو چکے تھے لیکن ۱۳۴۱ شمسی تک ایران جمہوریت کے صحیح مفہوم سے عاری تھا۔ جمہوریت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ عوام کو ملکی معاملات میں رائے دینے کا حق حاصل ہو لیکن ایران کے دستور کے تحت ملک کی نصف آبادی یعنی خواتین رائے دینے کے حق سے محروم تھیں اور دوسرا نصف حصہ، جسے رائے دینے کا حق تھا، زیادہ تر صاحب اقتدار لوگوں، سرمایہ داروں اور حکام کے زیر اثر طبقہ پر مشتمل تھا۔ یہی لوگ مجلس کے ممبر منتخب ہوتے اور کراتے اور ملکی قانون بناتے تھے۔ کوئی معمولی زمیندار، چھوٹا کارخانہ دار یا محنت کش طبقے کا کوئی فرد مجلس میں قوم کی نمائندگی کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لا سکتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ زیادہ تر ناخواندہ ہوتے تھے اور جو خواندہ تھے بھی، ان کی رائے با اختیار لوگوں کے منشا کے تابع ہوتی تھی۔ ظاہر ہے ایسی مجلس اور مجلس کے وضع کیے ہوئے قوانین کے ساتھ جمہور کی دلی وابستگی نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ انقلاب سفید کا تیسرا دائرۂ عمل "اصلاح قانون انتخاب" تھا جسے شاہنشاہ نے ۱۹۶۲ء میں نافذ کیا۔ اس کی رو سے ہر بالغ شخص اور خواتین کو رائے دینے کا حق حاصل ہو گیا اور مجلس ایران کو زیادہ سے زیادہ جمہوری حیثیت حاصل ہو گئی۔

سپاہ دانش

انقلاب سفید کا ایک اہم عنصر "سپاہ دانش" کا قیام ہے۔ اعلیٰ حضرت رضا شاہ کبیر کے عہد میں شہروں میں تعلیم کی طرف تو توجہ دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ پایۂ تخت تہران میں ایک عظیم الشان دانشگاہ قائم ہو چکی تھی۔ تعلیم و تربیت کے بعض دوسرے ادارے بھی جاری ہو گئے تھے اب جو اعلیٰ حضرت شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا شاہ نے عنانِ حکومت سنبھالی تو انھوں نے تعلیم کو اور پھیلایا اور مشہد، اصفہان، شیراز، تبریز اور اہواز میں بھی دانشگاہیں قائم ہو گئیں اب انھوں نے تعلیم کو دور افتادہ دیہات اور خانہ بدوشوں کے خیموں تک بھی پھیلانے کی ضرورت محسوس کی چنانچہ "سپاہ دانش" کا ادارہ قائم کیا گیا جس کا دائرہ عمل دیہات تک محدود تھا۔ سپاہ دانش میں وہ نوعمر لوگ شامل ہوتے ہیں جو ہائی سیکنڈری سکول سے فارغ التحصیل ہو جاتے ہیں اور جن کے لیے جبری فوجی تربیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ فوجی تربیت کی بجائے ان کو چار ماہ کی تعلیمی تربیت دے کر دور دراز علاقوں میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں وہ بچوں اور

بالغوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ یہ نوعمر حب وطن کے جذبے کے تحت تعلیمی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ سپاہ دانش نے پانچ سال کے عرصے میں دیہات کے چار لاکھ پچاس ہزار لڑکوں، ایک لاکھ بیس ہزار لڑکیوں، دو لاکھ چالیس ہزار بالغ مردوں اور گیارہ ہزار بالغ عورتوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آئندہ دس بیس سالوں میں ایران سے بے علمی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سپاہ دانش کا کام محض تعلیم و تدریس ہی نہیں بلکہ اقتصادی اور معاشرتی زندگی میں اہل دیہات کی رہنمائی کرنا بھی ہے۔ وزارت آموزش و پرورش (تعلیم و تربیت) کی اطلاع[۵۱] کے مطابق اس عرصے میں دیہاتیوں کے تعاون سے دس ہزار نئے پرائمری سکول کھولے گئے ہیں اور چھ ہزار سکول جو پہلے سے موجود تھے ان کی از سر نو تنظیم کی گئی ہے۔

سپاہ بہداشت (صحت)

سپاہ دانش کے بعد ایک اور ادارہ "سپاہ بہداشت" کے نام سے قائم ہوا ہے۔ اس کی غرض و غایت دیہات میں ہسپتال قائم کرنا اور اہل دیہات کو صحت و صفائی کے اصولوں سے آگاہ کرنا ہے۔ یہ سپاہ ان ڈاکٹروں اور زیر تربیت ڈاکٹروں پر مشتمل ہوتی ہے، جو تعلیم کے دوران یا تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد دیہات کی بہبود کے لیے اپنی خدمات رضاکارانہ طور پر پیش کرتے ہیں۔ سپاہیان بہداشت[۵۲] ان دور افتادہ دیہاتوں اور خانہ بدوشوں کے ٹھکانوں تک بھی پہنچتے ہیں جہاں بیماریوں کا علاج محض ٹونے ٹوٹکوں سے کیا جاتا تھا۔ سپاہ بہداشت کی سرگرمیاں صحتی سہولتیں بہم پہنچانے تک ہی محدود نہیں بلکہ مہندسوں (انجینیروں) کی مدد سے مناسب جگہوں پر کنوئیں کھدوانا، نلکے لگوانا اور قناتوں (زیر زمینی نالوں) کی دیکھ بھال کرنا بھی ان کے دائرۂ عمل میں شامل ہے۔ وزارت بہداشت کی اطلاع کے مطابق سپاہیان بہداشت[۵۳] سترہ ہزار مرتبہ دور افتادہ علاقوں میں پہنچے۔ دیہاتیوں کی بیماریوں کا علاج کیا، اصول صحت و

---

۵۱ اعلیٰ حضرت شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا پہلوی، انقلاب سفید: ۱۲۹

۵۲ ایضاً: ۱۵۲

۵۳ ایضاً: ۱۶۲

معاشرت سے انھیں آگاہ کیا۔ دیہاتیوں کے تعاون سے چار ہزار کنوئیں اور ایک ہزار سے زائد قناتیں کھدوائیں یا مرمت کرائیں۔ ایک سو پچاس ہسپتال قائم کرائے اور ستائیس دیہات میں پانی کی بہم رسانی کے لیے نلکے لگوائے۔

سپاہ ترویج و آبادانی

تیسری سپاہ انقلاب کا نام "سپاہ ترویج و آبادانی" ہے۔ یہ سپاہ دیہات سدھار کے لیے ۱۹۶۴ء میں قائم ہوئی۔ اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ کاشت کاروں کو کھیتی باڑی کے نئے طریقوں سے آگاہ کرے، زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے میں رہنمائی کرے۔ شاہراہوں کے ساتھ ارتباط پیدا کرنے کی ضرورت کا احساس دلائے۔ دور افتادہ مقامات پر بجلی پہنچانے کا انتظام کرے۔ دیہاتی صنعتوں کے قیام میں مدد دے۔ فنی اطلاعات بہم پہنچائے۔ اس سپاہ نے اہل دیہات میں وقت کے نئے تقاضے سمجھنے کا شعور پیدا کرنے میں بہت کامیابی حاصل کی ہے۔

خانہ ہائے انصاف

ملک میں عدل و انصاف کو آسان تر کرنے کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا شاہ فرماتے ہیں: "انقلاب سفید[۵] کے اس دائرۂ عمل میں ہم نے کوشش کی ہے کہ اہل دیہات کو دوسرے طبقوں کے لوگوں کی طرح عدل و انصاف کی نعمت سے بہرہ مند کریں اس کے لیے ہم نے منطقی طریقے سے اقدامات کیے ہیں یعنی بجائے اس کے کہ اہل دیہات کو داوطلبی اور حق رسی کے لیے پائے تخت یا دوسرے شہروں میں جانا پڑے عدالت کو ہم ان کے پاس لے گئے ہیں۔ دیہات میں عدالتیں قائم کر دی گئی ہیں جو پنچائتوں کے اصول پر کام کرتی ہیں۔" وزارت عدل کی اطلاع کے مطابق ایسی آٹھ سو عدالتیں دیہات میں قائم ہو چکی ہیں۔ یہ عدالتیں ۱۹۶۶ء کے قانون عدالت کے تحت قائم ہوئی ہیں۔ عدالت، جسے انصاف خانہ کہا گیا ہے پانچ ارکان پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ ارکان تین سال کے لیے

---

[۵] اعلیٰ حضرت شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی: انقلاب سفید: ۱۷

منتخب ہوتے ہیں۔ ایک رکن کو وزارت عدل خود مقرر کرتی ہے۔ یہ اراکین اپنے ہاں کے حالات کو بخوبی جانتے ہیں اس لیے عدل و انصاف کے تقاضے بہت جلد اور آسانی پورے ہو جاتے ہیں۔

شاہنشاہ کے ان اقدامات سے ملک میں اصلاحی انقلاب ظہور میں آیا ہے جس میں عوام بڑی دلچسپی لے رہے ہیں۔ اس سے عوام میں سیاسی بیداری بھی پیدا ہوئی ہے اور ملت ایران شاہراہ ترقی پر گامزن ہو رہی ہے۔

انقلاب سفید کی ترقیاتی اسکیموں کے علاوہ مختلف میدانوں میں جو کام ہو رہا ہے مختصراً درج ذیل ہے۔

معدنی ذخائر اور صنائع کی ترقی

قدرت نے سرزمین ایران کو معدنی دولت سے مالامال کیا ہے۔ مٹی کے تیل کا کچھ ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہ ایران کی سب سے بڑی دولت ہے جس کی برآمد اور مزید تلاش کے لیے حکومت ایران نے اپنے بہترین وسائل وقف کر رکھے ہیں۔ کان کنی کے کام پر اس سے پہلے بہت زیادہ توجہ نہیں دی گئی تھی۔ لیکن دورِ حاضر میں معدنی ذخائر جدید طریقوں سے نکالے جا رہے ہیں۔ ایرانی لوہے کو ڈھالنے کا ایک کارخانہ زیر تعمیر ہے۔ ایران میں پارہ، سم الفار، باکسائیڈ، کرومائیٹ، کوئلہ، تانبا، سیسہ، میگنیشیم، قلعی اور جست وغیرہ بھی نکالا جاتا ہے معدنیات سے کام لینے کے لیے جدید قسم کے کارخانے قائم کیے گئے ہیں جن سے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں تیار ہوتی ہیں۔

سوتی کپڑا اصفہان میں تیار ہوتا ہے۔ بعض دوسرے شہروں میں بھی سوتی کپڑے کے کارخانے ہیں۔ تبریز میں اونی کپڑے اور چالوس میں ریشمی کپڑے کے کارخانے ہیں۔ مازندران پٹ سن اور ریشم کی پیداوار کے لیے مشہور ہے۔ قالین بافی ایران کی قدیمی صنعت ہے۔ کاریگروں کے بنائے ہوئے قالین پائیدار رنگوں، خوش نما نقش و نگار اور ریزہ کاری کی وجہ سے اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ایران کے شاہکار قالین دسویں اور گیارھویں صدی ہجری میں تیار ہوتے تھے۔ موجودہ زمانے میں اس صنعت کو نہ صرف محفوظ کیا گیا ہے بلکہ فنی لحاظ سے ترقی دے کر

اسے عروج کو پہنچا یا گیا ہے۔ ایران کے قالینوں کی مانگ دنیا بھر میں ہے۔

سیمنٹ کے کارخانوں میں تقریباً سات لاکھ پینتیس ہزار ٹن سیمنٹ تیار ہوتا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں ملک بھر میں چھوٹے بڑے کارخانوں کی تعداد چار ہزار چار سو تیس تھی۔ ان میں کم و بیش ایک لاکھ مزدور کام کرتے ہیں۔

اسلحہ بنانے کے کارخانے حکومت کے زیرِ اہتمام چلتے ہیں۔ اور ملکی ضروریات پوری کرنے کے لیے ان کارخانوں میں اسلحہ تیار کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔

ایران میں جو بجلی پیدا ہوتی ہے وہ صنعت کے علاوہ عام ضروریات کے لیے بھی کافی ہے۔ "دز رود" بند سے پانچ لاکھ بیس ہزار کلوواٹ اور "کرج بند" سے ایک لاکھ بیس ہزار کلوواٹ بجلی حاصل ہوتی ہے۔ "سفید رود" بند کے تعمیر ہونے سے چوالیس ہزار کلوواٹ بجلی اور حاصل ہو گی۔

مواصلات

ملکی بہبودی، معاشی ترقی اور تجارتی کاروبار میں ریلوے کا بہت بڑا حصہ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پس منظر پر روشنی ڈال دی جائے۔ ملک کے دور دراز علاقوں کو ریل کے ذریعے ملانے کا کام اعلیٰ حضرت رضا شاہ کبیر کے عہدِ حکومت میں شروع ہوا تھا اور آپ کی حکومت نے شمالی ایران کو جنوبی ایران کے ساتھ بذریعہ ریل ملانے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن یہ کام انتہائی دشوار تھا کیونکہ دونوں حصوں کے مابین بلند و بالا پہاڑ اور سیکڑوں ندی نالے حائل ہیں۔ کچھ ایسے مقامات بھی ہیں جن کے متعلق انگریز انجینئروں کی یہ حتمی رائے تھی کہ یہاں سے ریل کا گزارنا ممکن نہیں لیکن اعلیٰ حضرت رضا شاہ کبیر کا ارادہ اٹل تھا وہ ناممکنات کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ وہ اپنی اس بات پر قائم رہے کہ جیسے بھی بن پڑے ریل گزاری جائے۔ چنانچہ ایسا ہو کر رہا۔ بلند و بالا پہاڑوں میں سرنگیں کھودی گئیں، ندی نالوں پر پل تعمیر ہوئے جن پر بے دریغ ملکی دولت صرف ہوئی اور پھر یہ بات بھی تھی کہ آزاد قبائل کے لوگوں کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے علاقے بذریعہ ریل ملائے جائیں اور ان کی آزادی خطرے میں پڑے۔ آخر قدرتی رکاوٹوں پر بھی قابو پا یا گیا اور انسانی مخالفتوں پر بھی۔ بالآخر شمالی ایران کو جنوبی ایران کے ساتھ بذریعہ ریل

ملا دیا گیا۔ ایک ریلوے لائن بحیرۂ خزر (کیسپین) سے لے کر خلیج فارس تک بچھائی گئی۔ بحیرۂ خزر میں اس کا آخری اسٹیشن بندر شاہ ہے اور خلیج فارس کا آخری اسٹیشن بندر شاپور۔ اس کی رسم افتتاح اعلیٰ حضرت رضا شاہ کبیر نے ۲۶ راگست ۱۹۲۸ء کو ادا کی۔ ٹرانس ایرانین ریلوے ۱۹۲۷ء میں شروع ہوئی، اور ۱۹۳۹ء میں اس کی تکمیل ہوئی۔ اعلیٰ حضرت شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی لکھتے ہیں: "اس ریل کے راستے میں چار ہزار ایک سو پل اور دو سو چوبیس سرنگیں ہیں جو اوسطاً چوتھائی میل لمبی ہیں۔ ان میں سے ایک سرنگ دو میل لمبی ہے۔ ریل کی کل لمبائی نو سو میل ہے۔ اس ریلوے لائن میں جو اخراجات ہوئے وہ حکومت ایران نے چینی اور چائے پر خاص محصولات عائد کر کے فراہم کیے۔ اس سے اگرچہ عوام پر بوجھ تو پڑا لیکن میرے والد غیر ملکی قرضوں کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ وہ گذشتہ حکومتوں کا حشر دیکھ چکے تھے، جو غیر ملکی قرضوں کے بوجھ تلے دبی رہیں البتہ انھوں نے غیر ملکی انجینئروں کی مدد ضرور لی۔" مواصلات کی ترقی کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور اب اعلیٰ حضرت شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا پہلوی کے دور میں بھی ریلوں کا جال بچھایا جا رہا ہے۔

متعدد مقامات پر بے تار برقی کے مرکز قائم کیے گئے ہیں۔ بغداد، لندن، بورن اور نیویارک کے ساتھ ریڈیو فون کے ذریعے بھی رابطہ قائم کیا گیا ہے۔ بین الاقوامی فضائی کمپنیوں کے راستے ایران سے ہو کر گزرتے ہیں۔ تہران اور آبادان میں بین الاقوامی ہوائی اڈے قائم ہیں۔ فضائی پرواز "ایرانین ایرویز" سے متعلق ہے۔ اس کے ہوائی جہاز پاکستان، بھارت، افغانستان کے علاوہ مشرق وسطیٰ اور یورپ کو بھی جاتے ہیں۔

تجارتی مراکز

ایران کے تجارتی مراکز تبریز، تہران، ہمدان، مشہد اور اصفہان ہیں۔ بندر عباس، خرم شہر، بوشہر، بندر شاپور، استرہ پہلوی یہاں کی مشہور بندرگاہیں ہیں جن کے ذریعے بیرونی ممالک سے ہونے والی تجارت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔

۴۲: Mission for My Country ص

وسائل آبپاشی

ملک میں سیلاب پر قابو پانے اور پانی کے ذخائر مہیا کرنے کے متعدد منصوبوں پر عمل ہو رہا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں "دز رود" بند تعمیر ہوا جس کے ذریعے تین لاکھ ساٹھ ہزار ایکڑ ملک کے صحرائی علاقوں میں کاشت ہونے لگی ہے۔ صوبہ گیلان میں رشت کے قریب "سفید رود" پر ایک بند زیر تعمیر ہے جس کی تکمیل کے بعد ساڑھے چار لاکھ ایکڑ زمین میں کاشت ہو سکے گی۔ اس کے علاوہ اور بند بھی تعمیر کیے جا رہے ہیں۔

ملکی آئین

اعلیٰ حضرت شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی ملک کے سربراہ ہیں۔ ملک کا اعلیٰ دستور ساز ادارہ "مجلس ملی" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ ادارہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو وجود میں آیا تھا۔ دستور میں سنات کی بھی گنجائش رکھی گئی تھی جو پہلی بار موجودہ شاہنشاہ کے عہد میں فروری ۱۹۵۰ء میں قائم ہوئی۔ "سنا" ساٹھ ممبروں پر مشتمل ہے جن میں تیس شاہنشاہ کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں باقی ممبر منتخب ہوتے ہیں۔ ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۷ء کے دستور کے ماتحت مجلس ملی کے ممبروں کی تعداد ایک سو چھتیس تھی جو بڑھا کر دو سو کر دی گئی ہے۔ مجلس کے ممبر پہلے دو سال کے لیے مقرر ہوتے تھے اب ان کی میعاد چار سال کر دی گئی ہے۔ دستور کے مطابق شاہنشاہ کو اختیار ہے کہ مجلس ملی اور سنا دونوں ایوانوں کو برطرف کر دے۔ مالیات کے سلسلے میں جو قوانین منظور ہوتے ہیں، شہنشاہ کو حق حاصل ہے کہ ان پر نظر ثانی کے لیے دوبارہ مجلس کو واپس بھیج دے۔ مالیات کے علاوہ جو قوانین مجلس منظور کر لیتی ہے ان کی توثیق شاہنشاہ پر لازم ہے۔

مالیات

۱۹۶۵، ۱۹۶۶ء میں مالیات کا جو گوشوارہ تیار ہوا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایران کی سالانہ آمدنی ایک ارب چھہتر کروڑ ریال اور خرچ ایک ارب چھہتر کروڑ ریال ہے۔ ۱۹۶۰ء تک ایران نے جو خارجی ممالک سے مالی امداد حاصل کی اس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ترقیاتی بنک سے دو کروڑ باسٹھ لاکھ ڈالر

۲۔ درآمدی اور برآمدی بنک سے پندرہ لاکھ ڈالر

۳۔ حکومت ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے بائیس لاکھ ڈالر

۴۔ سوویٹ روس سے بطور قرضہ پینتیس لاکھ روبل

تیسرے ہفت سالہ منصوبے (۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۸ء) کے لیے دو ارب ریال کی رقم مخصوص کی گئی ہے، جو زراعت، آبپاشی، وسائل نقل و حمل، بجلی اور ایندھن، معاشرتی بہبود اور صنعت و کان کنی پر صرف ہو گی۔

صوبائی تقسیم

نظم و نسق کے لیے ایران تیرہ استانوں (صوبوں) میں منقسم ہے۔ صوبوں کے گورنر استانداز کہلاتے ہیں۔ صوبوں کی کیفیت درج ذیل ہے:

۱۔ گیلان: اس میں زنجان، قزوین اور ارک شامل ہیں۔ آبادی پندرہ لاکھ ہے۔ صدر مقام رشت ہے۔

۲۔ مازندران: اس میں گرگان (جرجان)، دامغان، اور شاہرود شامل ہیں۔ آبادی سولہ لاکھ اور صدر مقام ساری ہے۔

۳۔ مشرقی آذربائیجان: آبادی ستائیس لاکھ اور صدر مقام تبریز ہے۔

۴۔ مغربی آذربائیجان: آبادی آٹھ لاکھ اور صدر مقام رضائیہ ہے۔

۵۔ کرمان شاہ: اس میں ہمدان شامل ہے۔ آبادی سترہ لاکھ اور صدر مقام کرمانشاہ ہے۔

۶۔ خوزستان: اس میں لورستان کا علاقہ بھی شامل ہے۔ آبادی چوبیس لاکھ اور صدر مقام اہواز ہے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ دوسرا بڑا صوبہ ہے۔

۷۔ فارس: اس کی آبادی سولہ لاکھ اور صدر مقام شیراز ہے۔

۸۔ کرمان: یہاں کی آبادی نو لاکھ اور صدر مقام کرمان ہے۔

۹۔ خراسان: یہاں کی آبادی اٹھارہ لاکھ اور صدر مقام مشہد ہے۔

۱۰۔ اصفہان: آبادی اٹھارہ لاکھ اور صدر مقام اصفہان ہے۔

۱۱۔ کردستان: آبادی پانچ لاکھ اور صدر مقام سنندج ہے۔

۱۲۔ سیستان و بلوچستان: آبادی دو لاکھ پچاس ہزار اور صدر مقام زاہدان ہے۔

۱۳ - وسطی صوبہ تہران وسمنان پر مشتمل ہے۔ آبادی اڑتالیس لاکھ ہے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ سب سے بڑا صوبہ ہے۔ صدر مقام تہران ہے جو حکومت پہلوی کا پایۂ تخت ہے۔

ملکی دفاع

ملکی دفاع میں برّی، بحری اور ہوائی افواج شامل ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

برّی فوج: اس میں سترہ لاکھ سپاہی اور افسر شامل ہیں، پیدل فوج آٹھ ڈویژنوں پر مشتمل ہے۔ دو سال کے لیے فوجی تربیت حاصل کرنا ہر نوجوان کے لیے لازمی ہے۔

بحری فوج: بحریہ میں ایک جنگی جہاز، چار گشتی جہاز، چار سرنگیں صاف کرنے والے جہاز، ایک تیل بردار جہاز، نو موٹر لانچیں اور ایک مرمت کرنے والا جہاز شامل ہیں۔

فضائی فوج: فضائی فوج دس ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ ایران کے پاس لڑاکا طیاروں کے چھ سکواڈرن ہیں۔ ان کے علاوہ پچیس جیٹ جہاز اور ہینیسٹھ دوسرے طیارے ہیں۔ سوویٹ روس سے اب مزید جنگی طیارے حاصل کیے جا رہے ہیں۔

معاہدات اور علاقائی تعاون

ملکی مدافعت کے سلسلے میں حکومت ایران نے اکتوبر ۱۹۵۵ء میں معاہدۂ بغداد میں شرکت کی جو آگے چل کر "سنٹو" کے نام سے موسوم ہوا۔ بنیادی طور پر یہ معاہدہ دفاعی تھا، اس میں ترکی، عراق، ایران، پاکستان، اور برطانیہ شامل تھے۔ ۱۹۶۴ء میں ایران، ترکیہ اور پاکستان کے مابین میثاق استنبول طے ہوا جس کی رو سے ان ممالک کی ترقی کے لیے باہمی تعاون کا خوش آیند آغاز ہوا۔ اس معاہدے کے تحت علاقائی تعاون برائے ترقی کا ادارہ (R.C.D) قائم ہوا جو اقتصادی تعاون کے لیے بعض مفید اقدامات کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں ۲۱ رجولائی ۱۹۶۴ء کو پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں ایران، ترکیہ اور پاکستان کے سرکاری نمائندوں نے یہ تجویز منظور کی کہ تینوں ملکوں کو ایک شاہراہ کے ذریعے ملا دیا جائے۔ یہ شاہراہ کراچی اور کوئٹہ سے ہوتی ہوئی ایران کے شہر کرمان پہنچے گی، وہاں سے اصفہان اور تہران آئے گی پھر تہران سے تبریز ہوتی ہوئی ترکیہ کے دارالحکومت انقرہ پہنچے گی۔ اس شاہراہ کی لمبائی پانچ ہزار چار سو کلومیٹر (تقریباً تین ہزار تین سو پچپن میل)

ہو گی۔ اس کی تکمیل کے لیے ۱۹۶۸ء تک مدت مقرر ہوئی ہے۔

ایران اور پاکستان کے تعلقات ہمیشہ بہت خوشگوار رہے ہیں اور ۱۹۵۸ء کے انقلاب کے بعد پاکستان نے اپنے ہمسایوں سے دوستی بڑھانے کی جو پالیسی اختیار کی اس کی وجہ سے ایران اور پاکستان میں اتحاد و اخوت کا رشتہ نہایت مستحکم ہو گیا اور ان دونوں ملکوں کے برادرانہ تعلقات دوسرے ممالک کے لیے ایک قابل تقلید مثال بن گئے۔ اعلیٰ حضرت شاہنشاہ ایران تمام مسلم ممالک کے درمیان دوستی، اتحاد اور اخوت کے رشتے قائم کرنے اور ان کو مستحکم تر بنانے کے پُرجوش حامی ہیں اور پاکستان سے ان کو دلی تعلق اور محبت ہے۔ چنانچہ ۱۹۶۵ء میں بھارت نے جب پاکستان پر جارحانہ حملہ کیا تو ایران نے ہر ممکن طریقے سے پاکستان کی مکمل حمایت کی اور یہ ثابت کر دیا کہ ان دونوں ملکوں کے تعلقات کی بنیاد کس قدر حقیقی، مستحکم اور غیر متزلزل ہے۔

زبان و ادبیات

قاچاری دور میں زبان کو سہل اور رواں بنانے میں ابتدائی کام ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی نے اس مسئلہ پر خاص توجہ دی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ محب وطن ادیبوں نے فارسی کو غیر ملکی مشکل اور نامانوس الفاظ سے پاک کرنا چاہا۔ اس کام کا آغاز اس طرح ہوا کہ غیر ملکی مشکل الفاظ کا بدل تلاش کرنے کے لیے پہلوی اور قدیم فارسی کی طرف رجوع کیا گیا۔ اس قسم کے الفاظ نے زبان کو اور مشکل اور پیچیدہ بنا دیا۔ چنانچہ آقائے عباس اقبال آشتیانی نے "فارسی ساختگی" کے عنوان سے مضمون لکھ کر اس نئی الجھن کی نشاندہی کی۔

نئے لسانی رجحانات اور ان کے اشکال کو دور کرنے کے لیے اعلیٰ حضرت رضا شاہ کے حکم سے ۱۹۳۵ء میں ایک ادارہ فرہنگستان کے نام سے قائم ہوا۔ اس ادارے کے زیر اہتمام "مجلہ نامۂ فرہنگستان" شائع ہوا اور فارسی کو ایک خاص نہج دینے کی کوشش کی گئی۔ بیشتر ورانہ آسان اور عام فہم اصطلاحیں وضع کی گئیں، علوم جدید کے لیے جدید اصطلاحات و تراکیب اختیار کی گئیں اور حسب ضرورت فرانسیسی اور انگریزی زبانوں کے الفاظ و تراکیب بھی زبان کا جزو بنا دیے گئے اور چند سال کی مسلسل جدوجہد سے زبان اس قابل ہو گئی کہ نئے سیاسی، علمی اور اقتصادی

تقاضوں کو پورا کرسکے چنانچہ آج ایران میں تمام علوم جدید کا ذریعۂ تعلیم فارسی ہی ہے۔

نیا فارسی ادب

پہلوی دور کے علوم وادبیات پر بحث کرنا مقصود نہیں۔ البتہ اس دور کے بعض ادبی رجحانات کا مختصراً ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس دور میں مختصر افسانہ نویسی نے بہت ترقی پائی۔ بعض قابلِ قدر ناول بھی لکھے گئے۔ بعض ادیبوں نے زندگی کے تاریک پہلوؤں کی نشاندہی کرکے روشن پہلوؤں کی طرف رہنمائی کی اور بعض نے ایرانی کردار کی عظمت بیان کرکے حب وطن کے جذبات ابھارے۔ ان ادیبوں میں آقایان جمال زادہ، صادق ہدایت، محمد حجازی، صادق چوبک، حسین علی مستعان اور نوری خاص طور سے بہت مشہور ہیں۔

تنقید میں آقایان ڈاکٹر پرویز خانلری، لطف علی صورت گر، علی اصغر حکمت، اور مجتبیٰ فیومی و رضازادہ شفق، بہت ممتاز ہیں اور اپنے شاہکاروں کی بدولت ناموری حاصل کی ہے۔

تحقیق و تاریخ کے موضوع پر عالمگیر شہرت رکھنے والے علما آقایان علامہ قزوینی، علامہ دہخدا سعید نفیسی، بدیع الزمان فروزانفر، محمد علی فروغی حسین کاظم زادہ ایرانشہر، رضازادہ شفق حسن پیرنیا۔ جلال ہمائی، سید تقی زادہ، پورداؤد، عباس اقبال آشتیانی، رشید یاسمی، ڈاکٹر محمد معین، ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، علی اصغر حکمت اور ڈاکٹر خانلری ہیں۔

اس دور میں حب وطن اور ترقی کی امنگوں کی بدولت شاعری میں نئے رجحانات آئے اور شعرا نے وطن پرستی، قومی عظمت، آزادی افکار، اجتماعیات، تمدن ایران، تعلیم اور آزادی نسواں کو موضوعِ سخن بنایا۔ اس صف میں نمایاں شعرا آقایان ادیب پیشاوری، فروغی، عشقی، ادیب الممالک، شوریدہ ملک الشعرا بہار، وحید دستگردی و صادق سرمد ہیں۔

اس دور میں شعر کی بعض نئی ہیئتوں پر بھی شعرا نے تجربات کیے ہیں۔ ان میں آقایان عارف قزوینی، نیما یوشیج، شہریار، سیمیں بہبہانی اور فروغ فرخ زاد خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

علم وادب کی خدمت میں ملکی صحافت بھی بہت ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ اس وقت ایران میں کم وبیش دو سو اخبار اور رسالے شائع ہوتے ہیں۔ رسالوں میں دانشکدہ ادبیات، ارمغان، سخن اور یغما خاص طور سے بہت مشہور ہیں، اور اخبارات میں سب سے زیادہ اشاعت کیہان اور اطلاعات کی ہے۔